بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

مدّت کے بعد پھر کچھ دل کی باتیں!

کسی مجبورانہ صورتِ حالات میں جب اجتماعیت کے تحت کام کرنے والوں کا نظم معطل ہو جاتا ہے تو یہ بڑی سخت آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے۔ یعنی آدمی کو اپنے موقف پر قائم اور محوِ کار رکھنے اور ایمان و اخلاق کا معیار برقرار رکھنے کے لیے خارج سے جو سہارے ملتے ہیں وہ زیادہ تر ختم ہو جاتے ہیں، تب اصل دار و مدار اپنے ہی ایمان و شعور کی داخلی قوت پر ہوتا ہے۔ جو لوگ ہجوم میں چلنے اور دوسروں کے ریلوں کے بل پر حرکت کرنے کے عادی ہوتے ہیں، اُن کی ساری گرما گرمی ختم ہو جاتی ہے۔ جو لوگ ہر اقدام کے لیے اُوپر کے احکام کے منت کش ہوتے ہیں اُن کے قدم رُک جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ دعوتِ دین، تعمیرِ اخلاق اور خدمتِ معاشرہ کو سیاست کے تابع کر لیتے ہیں وہ کسی غیر سیاسی دَور میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو خلا میں محسوس کرتے ہیں کہ بس اب کام کرنے کا کوئی راستہ باقی نہیں ہے۔

اگر آپ داعیِ حق ہیں تو کسی کے جھنجھوڑنے کا انتظار کیے بغیر جاگ اُٹھیے، دوسروں کی مشعلیں مدد نہیں کر رہیں تو اپنے اندر کے دیئے کو اکسائیں، کوئی صدائے جرس نہیں آتی تو اپنے دل کی دھڑکنوں کی آواز سے گامزن ہو جائیں۔

نہ بھولیے کہ آپ شہداء علی الناس میں سے ہیں جنہیں خدا نے چن لیا اور جو خدا کے

رسول کے سکھائے ہوئے پیغام کو پھیلانے پر مامور ہیں۔ "هُوَ اجْتَبٰكُمْ (الحج — ۷۸) اور وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ" (آل عمران — ۱۴۰) کے کلمات سے اللہ تعالیٰ نے جو منصب اور رتبہ آپ کو دیا ہے، اُسے سمجھنے اور اُس کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں کسی لمحے بھی غافل نہ ہوں۔ اپنے آپ کو اس بدبختی سے بچایئے کہ جس طرح آپ کو چُن لیا گیا ہے، اُسی طرح نااہلی کی وجہ سے ٹھکرا دیا جائے۔ عہدہ نہ ملنا کم خرابی کی بات ہے لیکن عہدے سے نااہلی کی بنا پر ڈسچارج کر دیا جانا بڑی تباہی ہے۔

جو لوگ ایمان سے محروم ہیں اُن کو حالتِ ایمان تک لانا اور جن کے ایمان خوابیدہ ہیں اُن کے ایمانوں کو بیدار کرنا اور جہاں کہیں ایمان اور عمل میں فاصلے اور تضادات ہوں اُن کو دُور کرنا آپ کی اوّلین ذمہ داری ہے، بلکہ فی الحقیقت یہی ایک ذمہ داری ہے۔ کسی معاشرے کے جس قدر افراد میں بھی ایمان اپنا صحیح کام کرنے لگتا ہے اُن کو ایمانی سیاست کا راستہ بھی از خود مل جاتا ہے اور باقی تمام دائروں میں بھی ہدایت مل جاتی ہے۔ اگر کسی شخص میں توحید و رسالت کے صحیح شعور کے ساتھ ایمان کام کرنے لگے تو یوں سمجھیے کہ اسلامی سیاست اور تحریک اقامتِ دین کا مجاہد کارکن بھی پیدا ہو گیا۔

پس خادمانِ اسلام کا اوّلین اور اہم ترین کام خواص و عوام کو خدا پرستی اور پابندیِ دین کی دعوت دینا ہے۔ یہ کام اتنا بنیادی اور اتنا اہم ہے کہ یہ ہر قسم کے حالات میں جاری رہتا ہے۔ آپ جیل میں ہوں تب بھی، اور اقتدار کے تخت پر ہوں تب بھی، آپ بے بسی کے عالم میں ظالموں کے ہاتھوں اذیتیں بھگت رہے ہوں تب بھی، اور تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں ہوں تب بھی، آپ خواہ ایک بے پایاں ہجوم کے درمیان گھرے ہوں، خواہ تن تنہا ہوں، وسائل رکھتے ہوں یا بے وسیلہ ہوں، خوش حال طبقوں تک رسائی رکھتے ہوں یا غریبوں سے میل جول ہو، آپ کی تعلیم اعلیٰ درجے کی ہو یا نہ ہو، آپ استاد ہوں یا طالب علم اور آپ اجیر ہوں یا مستاجر، ہر قسم کے حالات میں فریضۂ دعوت برقرار رہے گا۔ آپ تعلیم و تلقین کی حدود میں ہوں، یا خدمت کے دائرے میں، انتخابی کشمکش میں شریک ہوتے ہوں یا ابھی نہ ہوتے ہوں، شریک ہو کر جیتنے کے حالات رکھتے ہوں یا شکست کے امکانات، آپ اپوزیشن میں بیٹھے ہوں یا وزارت میں آئیں۔ حالات کی کوئی بھی شکل ایسی نہیں کہ اساسی دعوتِ دین کا فریضہ معطل ہو جائے یا ثانوی و ضمنی اہمیت حاصل کر جائے۔

جس طرح جہاد نہ اس صورت میں رکتا ہے کہ کوئی ظالم قوت غالب ہو اور نہ اس صورت میں کہ اقتدار ارباب عدل کے ہاتھ میں ہو، اسی طرح دعوت دین کا کام کسی بھی صورت حالات میں نہیں رکتا ۔ وہ تعلیم کے دائرے میں، علوم و فنون کے دائرے، ادب و صحافت کے دائرے میں، قانون و انتظام کے دائرے میں، اور معیشت و معاشرت کے دائرے میں جاری رہے گا۔ اسے امرا اور غربا میں، شہریوں اور دیہاتیوں میں، مردوں اور عورتوں میں، ایک زبان اور دوسری زبان میں۔ ایک قسم کے ذرائع سے اور دوسری قسم کے وسائل سے لے کے چلنا لازم ہے۔

یہ کام کسی خاص طرز کے حالات سے مشروط نہیں، کسی امتیازی قسم کے وسائل پر موقوف نہیں، اس کا کوئی خاص سیزن یا موسم نہیں، اس میں کوئی تعطل یا تعطیل نہیں، یہ ڈیوٹی عمر بھر کی ڈیوٹی ہے، سال بھر کے بارہ مہینوں، ہفتے کے سات دنوں اور ہر دن کے چوبیس گھنٹوں میں اس کو جاری رہنا ہے۔

بعض حضرات اس لیے سکڑے بیٹھے رہتے ہیں کہ انہیں میدانِ کار نہیں ملتا۔ حالانکہ اولین میدانِ کار تو آدمی کا خود اپنا نفس ہے، جو اپنی خواہشوں اور مفاد کی سلطنت کے بڑے حصے کو دعوتِ دین کی زد سے بچا کے رکھنے کے لیے ہر قسم کے حیلوں اور دلائل کے اسلحہ سے لڑتا ہے، اور ایک بار اگر مفتوح ہوتا بھی ہے تو از سرِ نو کسی گوشے سے اپنی لڑائی شروع کر دیتا ہے۔ اسی کے متعلق تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اصل پہلوان وہ ہے جس نے اپنے نفس کو پچھاڑ لیا، نیز تربیتِ نفس کی لمبی مہم کو جہادِ اکبر سے تعبیر کیا۔ نفس کی سرکشی اور دسیسہ کار قوتوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے گھات لگا کر بیٹھنا اور عمر بھر پہرہ دینا کوئی کھیل نہیں ہے۔ میرے سامنے روائتی تصوف کا فلسفہ نہیں، رسولِ خدا کا سکھایا ہوا حقیقی تصوف ہے، جس کے لیے آپ کو خدا نے مزکّی بنایا۔

دوسرا قریب ترین میدانِ کار کسی قریب ترین شاہدِ حق اور نقیبِ دین کا اپنا گھر ہے۔ معاشرے کی ایک تنظیمی اکائی جو اگر نیکی کا سرچشمہ بن جائے تو سینکڑوں کے لیے باعثِ فیض۔ برائی کا اڈہ بن جائے تو ہزاروں کے لیے دبیرِ وبال، اور لامقصدیت کا آئینہ دار ہو تو بے شمار لوگوں کے لیے

ذریعۂ جمود و تضاد! ذرا غور سے جائزہ لیجیے کہ اس میں آپ نے دعوتِ اسلامی کا کام پچھلے کئی سالوں میں کہاں تک کیا ہے اور کیا اس کے ثمرات اطمینان بخش ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کی غفلتوں کی وجہ سے آپ کے گھر ہی میں اپوزیشن کا مضبوط محاذ کھل گیا ہو؟ دعوت کے لحاظ سے معیاری گھر صرف وہ گھر ہیں جن کے مرد مردوں میں، عورتیں عورتوں میں، لڑکے لڑکوں میں، لڑکیاں لڑکیوں میں کام کر رہی ہوں۔ اور ہر فرد یہ محسوس کرے کہ دعوتِ حق کی مہم میں اسے پورے گھر کا تعاون حاصل ہے۔

پھر آگے چلیں تو آپ کا اڑوس پڑوس ہے، آپ کے اقربا ہیں۔ آپ کے دفتری اور کاروباری ساتھی ہیں، آپ بازاروں میں ہوٹلوں میں، بسوں میں جگہ جگہ لوگوں سے ملتے ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں۔ کوشش یہ کیجیے کہ جہاں بھی خوبصورتی سے ممکن ہو، اصل بات کے لیے راستہ نکالا جائے۔ کسی کو گھر پہ مدعو کیجیے، کسی کے گھر خود جائیے، اضطراب کے مارے ہوئے انسانوں کو سمجھائیے کہ راہِ نجات صرف خدا پرستی ہے، مسائل سے بس کر مایوس ہونے والوں کو توجہ دلائیے کہ خدا کا دین سب سے بڑا سہارا، امید اور ذریعۂ حلِ مسائل ہے۔ خود پرستی کے مارے ہوئے ملول افراد کو اس نسخۂ شفا کا پتہ دیجیے کہ دوسروں کی خدمت کر کے ہی آدمی مسرت حاصل کر سکتا ہے اور دوسروں کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انہیں سچائی کا راستہ دکھایا جائے۔

کوئی تبدیلی چاہے انقلاب کے راستے سے آئے یا انتخاب کے راستے سے، اس کی شرطِ لازم یہ ہے کہ اس تبدیلی کے آرزومند اور اس کے ذریعے برپا ہونے والے نظام کے شیدائی کسی معاشرے میں مناسب تعداد میں ہوں۔ یعنی ایک طرف تبدیلی کی لہروں کو انضباط میں رکھنے کے لیے اور دوسری طرف نظامِ مطلوب کو چلانے کے لیے لازمی قوت ضرور سمٹ آتی ہو۔ ورنہ جس نظام یا تبدیلی کی دعوت ہی کما حقہٗ نہ پھیلائی جا سکی ہو اس کے نعرے سے اتفاقی طور پہ انقلاب برپا ہو جائے تو اس انقلاب کی باگ ڈور کوئی اور سنبھالے گا۔ اسی طرح اگر انتخاب واقع ہو تو ووٹروں ہی کی اتنی تعداد نہ ہوگی جو ایمان اور فکر و شعور کی روشنی میں صحیح اور موزوں افرادِ کار کو نمائندگی پہ لا سکیں۔ انتخابی سیاست کا وقتی ریلا کچھ تھوڑے سے جذباتی عناصر کو ساتھ بہا لیتا ہے، لیکن اصل دار و مدار مضبوط فہم و کردار کے ٹھوس افراد کی قوت پہ ہوتا ہے۔ بس سیاست کی جنگ جیتنے کے لیے بھی شدید ضرورت

توسیع دعوت کی ہے۔

اگر کچھ اچھے لوگ اس انتظار میں بیٹھے رہیں کہ جب سیاسی پابندیاں ختم ہوں گی تو اُس وقت جلسوں اور تقریروں سے کام کریں گے، تو یہ انتظار وقت کو ضائع کرنے کے ہم معنی ہے۔ موجودہ غیر سیاسی دَور کوئی پسندیدہ حالت نہیں ہے، مگر جلسے جلوس کے سہارے قائم رہنے والے گروہوں کے مقابلے میں شہداء علی الناس کے لیے ایک وجہ سے یہ ایک قیمتی مہلت بھی ہے۔ اِس وقت فضا ہر قسم کے ہنگاموں سے خالی ہے، کوئی شور شرابا نہیں۔ ذہنوں میں طوفانی مدوجزر نہیں، انفرادی دعوت کے لیے میدان چوپٹ کھلا ہے۔ اگر اس مہلت میں صحیح کام ہوا ہو تو اُس کے گزرنے کے بعد روشنی ہونے پر آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ آپ کی قوت پہلے سے دس گنا بڑھ چکی ہے۔ لیکن اگر کماحقہ کام نہ ہو سکا تو آپ اپنے آپ کو اسی جگہ پائیں گے جہاں اِس دَور سے پہلے تھے۔ پھر اگر جمہوریت کی بند سڑک کھل گئی اور انتخابات کی منادی ہو بھی گئی تو آپ کیا نئی توقعات کریں گے۔

مجھے اندازہ ہے کہ دعوت کا کام پوری طرح معطل نہیں ہوا ہوگا اور جتنا کچھ ہوا ہے اُس کی برکات سامنے آجائیں گی، مگر میں یہی اندیشہ کرتا ہوں کہ جتنا اور جو کچھ ہونا چاہیے، وہ بمشکل ہی ہو سکا ہوگا۔ اندریں صورت یہی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے اگر کوئی کسر رہی ہو تو اب جو مہلت باقی ہے، اس میں پوری قوت سے ہر فرد اپنی بساط کے مطابق تلافی کرے۔

بعض دوست یہ اشکال بھی پیش کرتے ہیں کہ وہ اگر کسی سے ملتے ہیں اور بات کرتے ہیں تو اصل بات دوسروں کی طرف سے چھڑتی ہی حکومت اور ملکی مسائل کی ہے۔ گرانی کے نوحے، جرائم کی فریادیں، فحاشی کا ردعمل اور اسی طرح کی چیزیں زیر بحث آتی ہیں۔ دعوت الی اللہ کا تو راستہ کم ہی ملتا ہے۔

ایسے موقع کے لیے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ آپ دوسروں کو اپنی ساری باتیں کھل کر کہنے دیں اور جب اندازہ ہو کہ اُن کے اندر کا دھواں بیشتر نکل چکا ہے تو پھر بات میں سے بات نکالتے ہوئے گفتگو کرنے والوں کو اس طرف توجہ دلائیں کہ معاشرے کی ساری خرابیوں کی جڑ کیا ہے اور افراد

سکے کردار کیوں مختل ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شروع ہی میں یا آگے چل کر کسی بھی موقع پر ہم نشین کو یوں توجہ دلائی جائے کہ بھئی سیاسی اختلافات اور جھمیلے ایک طرف، ہماری ذاتی اور گھریلو زندگیوں میں سے بھی سکھ چین غائب ہے، ہم انسان ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے درندے بن گئے ہیں، ہم خدا پرست مسلمان ہوتے ہوئے خدا کے بندوں کے لیے باعثِ آزار ہیں، آپس میں لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے۔ خیانت کا زور ہے، جبر کا دور دورہ ہے۔ خواہشوں کے جال میں ہم سب جکڑے ہوئے ہیں، آخر یہ حالات کیوں ہیں؟ کہاں سے یہ روگ شروع ہوتا ہے۔ یوں دلسوزی سے دعوت اِلی اللہ کا راستہ نکالا جاسکتا ہے۔

دعوت اِلی اللہ کے یہ معنی نہیں کہ ہمیں کچھ عقیدوں اور اخلاقی باتوں کی تلقین کر کے قصہ ختم کر دینا ہے۔ جب خدا پرستی اور خدا کے دین کی ضرورت اور برکت واضح ہو جائے تو اگلا سبق یہ ہے کہ خدا ساری زندگی کا خدا اور اسلام ہر شعبۂ حیات کے لیے واحد دین ہے۔ سیاست اور معیشت کے دائروں میں بھی ہمارا دین صرف اسلام ہے، کوئی دوسرا نہیں! پھر آپ اسلامی ریاست اور خدا پرست قیادت کا تصور بھی دلا سکتے ہیں اور تبدیلیٔ قیادت کی دعوت بھی دے سکتے ہیں۔

مگر یہ سارا کچھ کسی ایک ہی ملاقات یا ایک ہی نشست میں ہو جانے والا نہیں۔ جن لوگوں پہ کام کیا جائے۔ اُن سے بار بار ملا جائے اور دعوت کا ایک ایک سبق آہستہ آہستہ ودیعت کیا جائے ـــ ہاں یہ ملحوظ رہے کہ مخاطب کی طرف سے محض گنبد کی صدا کی طرح "ہاں ہوں" ہی نہ ہوتی رہے۔ بلکہ اُس کی شخصیت کو آپ متحرک کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو آگے چلیں۔ کوئی آدمی اگر بالکل ٹھس ہی ملے تو اُسے چھوڑ دیں، جس کسی کے شعور میں حرکت آئے اُسے قدم بہ قدم آگے لے چلیں۔

دورانِ سفر کسی شخص سے اُمید افزا بات ہو تو اُس کا پتہ لے لیں، اُس سے بعد میں خط و کتابت کریں، ضرورت پڑے تو کبھی اُس کے مسکن تک جا پہنچیں۔ کبھی اُسے اپنے ہاں مدعو کریں۔ کبھی کوئی پڑھنے کی چیز اُسے مطالعہ کے لیے بھیج دیں، کبھی تحفہ کے طور پہ کسی درس یا تقریر کا کیسٹ اُسے پیش کر دیں۔

آدمی جب کچھ کرنے پہ آتا ہے تو نہ جانے کیا کیا کچھ کر سکتا ہے!

بعض دوستوں نے مجھ سے اکا دکا موقعوں پہ یہ سوال کیا کہ ہم اپنے دفتر میں دس یا پندرہ سال سے موجود ہیں۔ اپنی دانست میں اخلاقی طور پہ ہم نے کچھ نہ کچھ بہتر رویہ ہی اختیار کیے رکھا ہے۔ کبھی کبھار کوئی پڑھنے کی چیز بھی بعض دوستوں کو دی ہے، زبانی بات بھی کی ہے، مگر اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ سب کچھ بیکار رہا ہے۔ رشوت اور خیانت اور کام چوری کے عادیوں کی روش جوں کی توں ہے۔ دفتر کی مصروفیت میں اوّل تو کچھ زیادہ باتیں ہو ہی نہیں سکتیں، ہوں بھی تو سرسری۔ ایک فقرہ ہم نے کہہ دیا، دوسرا فقرہ جواباً دوسرے نے کہہ دیا۔

سوال کرنے والے دوستوں سے میں نے پوچھا کہ کیا کبھی ایسا کوئی تجربہ بھی آپ نے کیا ہے کہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی شریف مزاج یا تیز طرار آدمی کو چھانٹ کر آپ نے دعوت دی کہ عرصے سے میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کبھی میرے ہاں چلیں اور کھانا کھائیں یا چائے پئیں، مل بیٹھیں گے اور کچھ کہیں سنیں گے۔ دفتری رابطے کے پھیکے پن سے اکتا کر میں یہ خواہش کر رہا ہوں۔ یا بصورتِ دیگر یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کسی دفتری ساتھی سے یہ درخواست کریں کہ دوست! کسی دن اجازت دو تو شام تمہارے ساتھ گزارنے کے لیے گھر پہ آؤں۔

یہ ہرگز ضروری نہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سب کچھ آر پار ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ دو ایک ملاقاتیں محض بے تکلفی اور ربط باہم پیدا کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں گزر جائیں۔ پھر کبھی دوسری متفرق باتوں کے ساتھ آپ اپنی دعوت کی ابتدائی بات بھی کریں۔ آگے چل کر مزید پیش قدمی کریں۔ بے تکلفی ہو جائے تو کبھی کسی حلقۂ درس یا کسی ادبی نشست یا مجلس تقریر میں ساتھ لے جائیں، نیز کبھی اپنے چند دوسرے دوستوں کے ساتھ چائے کی مجلس یا پکنک یا شب بیداری کا انتظام کر کے اس میں نئے دوستوں کو شریک کریں۔

اپنے دفتر یا کارخانے یا کسی اور ادارے کے ساتھیوں پہ نظر رکھیں، اگر کسی کے ہاں شادی، مرگ کا واقعہ ہو تو اس میں حصہ لیں، کسی کے ہاں بیماری کا دور ہو تو بیمار پرسی کے لیے جائیں، کسی کو کوئی خاص ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کے حل کرانے میں آپ مدد دے سکتے ہوں تو ضرور دیں۔ اچھے انسانی رابطے اور خدمات دعوت کا راستہ بنانے میں مؤثر ہیں۔

کاش کہ اس قسم کے بہت سے تجربات ہمارے پاس ہوتے اور ان کی رپورٹیں (باقی بر صفحہ ۸۴)